مسٹر وزیراعظم: داغ تو اچھے ہوتے ہیں!

تحریر: سہیل احمد لون

چند روز محسوس ہو رہا تھا جیسے ملک کے سارے مسائل ختم ہو گئے ہوں۔ایسا لگ رہا تھا جیسے لیاری کے میدان جنگ کی گرمی میں مزید کوئی بے گناہ سردخانے تک نہیں پہنچا ہو، گیاری کے سرد میدان جنگ سے بھی کوئی گرم خبر نہ آئی ہو، لوڈ شیڈنگ کا جن بوتل میں قید ہو گیا ہو، بھوجا ائیر ائیر لائن کے بد قسمت طیارے کی تحقیقات ہونے کے بعد قصور وار کو سزا و جرمانہ اور ہلاک شدگان کے ورثاء کو ہرجانہ ادا کر دیا گیا ہو، گیس کے بحران کو پر قابو پا لیا گیا ہو، بے روزگاری کا ایسا خاتمہ ہو گیا ہو کہ بیرون ملک سے لوگ وطن عزیز میں آ کر کام کی تلاش کا سوچ رہے ہوں، ڈرون سے ڈرنا بھی بند، ڈرون کو روکنے کے لیے دھرنا بھی بند ہو گیا ہو، نیٹو سپلائی کا معاملہ مستقل بنیادوں پر طے پا گیا ہو، بلوچستان میں امن کی فاختہ نے انڈے دے دیئے ہوں، اسامہ بن لادن کی ہلاکت کے بعد دہشت گردی کی وحشت نے جیسے ترقی یافتہ ممالک میں سیاسی پناہ لے لی ہو، سی این جی کی ہفتے میں سات دن کی سیل لگ گئی ہو، پٹرول، ڈیزل اور تیل کی قیمتوں میں پچاس فیصد کمی ہو گئی ہو، جرائم کی شرح اتنی گر گئی ہو کہ پولیس والے تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر سالانہ مشقت پر روانہ ہو چکے ہوں، پاکستان ریلوے اتنی فعال ہو گئی ہو کہ بھارتی ریل کے منسٹر غلام احمد بلور سے ترقی کا فارمولا پوچھنے کے لیے شاہ رخ خان کو پشاور بھیجنے کا سوچ رہے ہوں، قومی ائیر لائن اپنا کھویا ہوا مقام واپس لینے میں کامیاب ہو گئی ہو، او جی ڈی سی پینا گون کی طرح سدا بہار منافع میں چلی گئی ہو، پاکستان اسٹیل ملز نے ایسا کام کرنا شروع کر دیا ہو کہ ساری عوام کا خوشی سے آئرن لیول ہائی ہو گیا ہو، لولی ووڈ آباد ہو گیا ہو اور ٹام کروز، سلمان خان اور کترینہ کیف سید نور سے ایک چانس کے لیے منت کر رہے ہوں، شمالی علاقہ جات کا ماحول ایسا سازگار ہو گیا ہو کہ بیرون ملک سے سیاحوں نے دوبارہ ادھر کا رخ کر لیا ہو، دنیا کی ساری ٹیمیں پاکستان میں آ کر کھیلنے کو تیار ہو گئی ہوں، غربت کا ایسا خاتمہ ہو گیا ہو جیسے ہمارے کلچر اور ثقافت کا، ...... سارے میڈیا کو صرف ملک میں ایک ہی خبر ”قابل تشہیر“ ملی۔ سپریم کورٹ بمقابلہ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی بمعہ اہل و عیال اور ہمنوا...... سیاسی پہلوان کو چت کرنے کے لیے چیف جسٹس سمیت!!! ججوں کا فل بینچ میدان میں اترا جسے بچانے کے لیے چیف جسٹس کا ”ایکس ڈرائیور“ قانونی دواخانے کے تمام کشتے کھا کر ”کشتی“ کے لیے اکھاڑے میں موجود تھا۔ ڈھول کی تاپ، رقص و نغمات سے مسرور سیاسی چیلوں اور چمچوں کی بارات میں دولہے کے پروٹوکول میں یوسف رضا گیلانی کو میدان میں اتارا گیا۔ سیاسی پنڈت اور تجزیہ نگار نما اینکر حضرات نے ملک کے سارے مسائل بھول کر صرف ایک ”مسئلے“ کو زیر بحث لا کر اپنے گلے خشک کر لیے۔ ہر کوئی اپنی بصیرت کے مطابق خوب رو، خوش شکل اور خوش لباس وزیراعظم کو سیاسی شہید یا غازی کے درجے پر فائز کر کے اپنے آپ کو قانون دان ثابت کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف نظر آیا۔ جج صاحبان نے اپنا فیصلہ صادر فرما کر ایک عالمی ریکارڈ بھی قائم کیا۔ گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہو سکتا ہے اس تاریخی فیصلے کو بھی شامل کیا جائے۔ مگر اس فیصلے کے لیے چوہدری اعتزاز سمیت کوئی بھی ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔ چوہدری اعتزاز احسن کے منہ کھل کر بند ہونے سے پہلے ہی اُن کے ملزم کی سزا شروع ہو کر ختم ہو چکی تھی۔ جس کے بعد پی پی کے رہنماؤں نے بھی حبیب

جالب کے شعر کا وہ حصہ دہرانا شروع کر دیا ہے جو چند دن قبل شہباز شریف دہراتے بلکہ گاتے نظر آ رہے تھے...... میں نہیں مانتا میں نہیں مانتا۔ چھوٹے میاں کی دیکھے دیکھی اب بڑے میاں بھی طوطے کی طرح میں نہیں مانتا کی رٹ لگاتے نظر آ رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کون کس کو کیا نہیں مانتا اور کس کا کیا نہیں مانتا؟ جن حالات میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے اس کو دیکھ کر ایسا ہی لگتا ہے تیس سیکنڈ کی قلیل مدت کی ریکارڈ سزا نے پیر و مرشد کے سارے خواب چکنا چور کر دیئے ہیں۔ اڈیالہ جیل جانے سے سیاسی فائدہ، عوامی ہمدردیاں اور سپریم کورٹ کو بھی جمہوریت کا قاتل قرار دینے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ خوش پوش وزیر اعظم کے سیاسی دامن میں ایسا داغ لگا دیا گیا جسے دھونے کے لیے اعتزاز حسن سے زیادہ ماہر قانونی دھوبی کو تلاش کرنا پڑے گا۔ عدالت نے ملزم کو مجرم قرار دے دیا۔ دودھ کی دیگ میں اگر پیشاب کا ''قطرہ'' بھی گرا دیا جائے تو وہ اتنا ہی پلید ہو جاتا ہے جتنا پیشاب کے ایک لٹر سے!

کبھی انگریزوں کے تسلط میں ہندوستان میں سری لنکا، برما، عرب امارات وغیرہ بھی شامل تھے۔ جسے وہ بڑی ذہانت سے چند گوروں کو یہاں بھیج کر حکومتی معاملات چلاتے تھے۔ حکومت چلانے کے لیے ہر جگہ جاگیرداروں، راجاؤں، مہاراجاؤں، نوابوں اور زمینداروں کو بھی ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔ جن کو کچھ پرسنل اسٹیٹس بھی عطا کیے گئے تھے۔ ان میں کچھ ریاستیں چھوٹی بھی تھیں جیسے بلرام پور اور کچھ بڑی بھی جیسے حیدر آباد دکن۔ ریاست کے سربراہ کو اپنی عدلیہ، فوج اور پولیس وغیرہ رکھنے کا اختیار حاصل تھا۔ رام پور جو ایک چھوٹی سی ریاست تھی اس کا نواب جو ایک سابق کمانڈر انچیف کا بیٹا تھا جس کے باپ نے خان روہیلا سے غداری کی تھی اسی انعام میں اسے ریاست رام پور کا نواب بنایا گیا تھا۔ وہ حج پر جا رہا تھا، وردی میں ملبوس سپاہی بمبئی میں اس کے آگے پیچھے گھوم رہے تھے۔ کسی بڑے سیٹھ نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے آگے پیچھے پولیس گھوم رہی ہے؟ بتایا گیا کہ یہ نواب صاحب ہیں، انہوں نے پوچھا کس ریاست کے؟ جواب ملا ''رام پور'' کے۔ سیٹھ نے دریافت کیا کہ ریاست کتنی بڑی ہے؟ اور سالانہ آمدنی کیا ہو گی؟ بتایا گیا کہ پچیس لاکھ۔ سیٹھ نے کہا کہ اس سے زائد آمدنی تو میری ہے اور یہ کروفر؟ یہ بات نواب تک پہنچ گئی۔ اور انہوں نے سیٹھ کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کروا دیئے۔ سلطنت برطانیہ اور ریاستوں میں آقا اور غلام کا رشتہ تو تھا مگر اس کے باوجود اپنے مفادات کے حصول کے لیے وہ معاہدوں کا احترام ضرور کرتے تھے۔ معاہدوں میں یہ بات بھی شامل تھی اگر کسی ریاست کا کوئی مجرم ہو گا تو اسے گرفتار کر کے پیش کیا جائے گا۔ راج برطانیہ کا کوئی ملزم کسی ریاست میں چلا جاتا تو وہ اسے پکڑ کر متعلقہ ریاست کے حوالے کرنے میں معاونت کرتے تھے۔ سیٹھ کو گرفتار کر کے نواب کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے چارج شیٹ بھی خود ہی بنائی۔ نواب نے کہا مت بھولو کہ ہم ریاست کے والی ہیں۔ ہم چاہیں تو تمھاری جائیداد ضبط کر لیں اور تمھیں سیٹھ سے فقیر بنا دیں۔ بتاؤ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ سیٹھ نے منت سماجت کی اور ہاتھ جوڑے۔ نواب نے اس کو دو ٹکے کا جرمانہ کر دیا۔ فیصلہ سنا کر نواب نے کہا فوراً جرمانہ ادا کرو اور ہماری ریاست سے نکل جاؤ۔ سیٹھ نے نواب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا مہاراج مجھ پر ایک کرم اور کریں کہ مجھے دو لاکھ جرمانہ کر دیں۔ دو ٹکے کا جرمانہ ادا کرنا میری بے عزتی ہے۔ نواب نے سیٹھ کی اپیل کو رد کر دیا اور کہا ہمارے نزدیک تمھاری اوقات صرف دو ٹکے کی ہی ہے۔ تم نے ہماری توہین کرتے ہوئے یہ کیوں نہ سوچا کہ ہم ریاست کے والی ہیں۔ یہ تو وہ آمر تھے جن کو غداری کے انعام میں ریاست کی نوابی بمعہ عدلیہ کے اختیارات ملے تھے جنھیں عوام

کا مینڈیٹ بھی حاصل نہیں تھا۔اس عدلیہ کو تو عوام نے حکومت کی طرح کا مینڈیٹ دے کر ایک آمر سے آزاد کروایا تھا۔کیا اس ''آزاد عدلیہ'' کا لگایا ہوا داغ ہمارے خوش پوش وزیر اعظم دھو پائیں گے؟ کیا ان کی اخلاقی جرات بیدار ہو کر منصب اعلیٰ پر کسی اور کو باری لینے کا موقع فراہم کرے گی؟ کیونکہ توہین عدالت کے اس کیس کے فیصلے سے قبل چند صاحبان ''شیروانی'' بھی سلوا چکے تھے امپورٹڈ کپڑا ہونے کی وجہ سے اس بات کی تسلی کر لی گئی تھی کہ اس پر کوئی ''داغ'' تو نہیں۔مگر ایک بات تو طے شدہ ہے جس ملک کے بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ داغ تو اچھے ہوتے ہیں وہاں وزیر اعظم کے دامن پر لگے داغ کے رتبے کا تعین کوئی عدلیہ نہیں صاحب حال درویش ہی کر سکتا ہے لیکن اس سے یہ معاملہ اور پیچیدہ ہو جائے گا کیونکہ وزیر اعظم خود صاحب حال گدی نشین شجرہ نسب بھی رکھتے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

29-04-2012